ابن خلدون اور حرکیات عمرانی

بشارت علی

اقبال نے اپنے خطبات میں معاشرتی حرکیات کے ضمن میں ابن خلدون کا حوالہ دیا ہے۔ چونکہ تہذیب اور انسانی ثقافت بہت سے پیچیدہ عناصر سے مرکب ہیں اس لیے ترقی یا تنزل کا پتہ چلانا کہ ہر مومہ کا کام نہیں۔ صحیح نتائج اخذ کرنے کے لیے غور وتدبر اور تحقیق وتفتیش کی ضرورت ہے۔ یہ کام بھی آسان نہیں مشاہدہ تجربہ اختیار اور استنتاج کی صلاحیت بھی تربیت اور تحقیقاتی منہاج میں خصوصی طور پر تعلیم اور تربیت کی محتاج ہے۔ وجدانی اور جذباتی انداز میں واقعات و حادثات سے جو نتائج نکالے جاتے ہیں ان میں حقیقت کا فقدان ہوتا ہے۔ ظن وتخمین کی بنیاد پر واقعات و حادثات کی تہ تک پہنچنا مشکل ضرور ہے۔ واقعات و حادثات بخت و اتفاق کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ ان کے ظاہر و باطن میں بعض معنوی اور روحانی قدریں پوشیدہ ہوتی ہیں جن کا سمجھنا زندگی کی صورت گری کے لیے لازمی ہے۔

ابن خلدون کے زمان و مکان، حادثات و واقعات، تنزل وترقی اور تغیرات کے مسائل سے استقرائی اور استنتاجی انداز میں مباحث حرکیاتی عمرانیات کی وہ فاقد النظیر مثالیں ہیں، جن کی نظیر دور جدید کی عمرانیات میں بھی نہیں ملتی۔ ان مباحث میں اصابت فکری اور دقت نظری کے ساتھ علم اور بصیرت اور مشاہدہ و تجربات کے علاوہ اس ماخذ کا بھی پتہ چل جاتا ہے جس سے ابن خلدون نے اپنے نظریہ کی تدوین میں فائدہ اٹھایا ہے۔ قرآن انسانی تاریخ کی وہ پہلی کتاب ہے

جسنے ان مسائل کی طرف نہ صرف نوع انسانی کی توجہ مبذول کروائی ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے ان کا مطالعہ ایمانی فریضہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن خلدون نے تاریخ کے مطالعہ کے علاوہ واقعات و حادثات زندگی کا غائر نظر سے جائزہ لیا ہے۔ اور قرآن کے بیانات کی روشنی میں محاکمہ و تنقیح ہے۔

ہم اس بات سے متفق ہیں کہ ابن خلدون اور ماقبل کے مفکرین میں بعض خاص احوال و کیفیات کی مناسبت سے ایک گونہ مماثلت ضرور ہے۔ افلاطون' ارسطو' ڈانٹے' کارل مارکس اور لینن وغیرہ کی زندگی جن حوادث اور آفات سے گزری ہے' کم وبیش اسی قبیل کے احوال سے ابن خلدون بھی گزرا ہے۔ احوال کی یکسانی کے باوجود' انفرادیت' باطنیت' اجتماعیت' ثقافت' نظام اخلاق اور ثقافتی ذہنیت کے اعتبار سے متذکرہ مفکرین اور ابن خلدون میں کوئی مماثلت نہیں۔ یہ وہ اہم نکتہ ہے جس کے سمجھنے سے مفکر کی بداعت وجدت فکر کو ماحقہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ عمرانی حرکیات کے مشہور مفکر سارو کن نے اس بنیادی مقتضمنہ کو نظر انداز کر دیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابتلا اور ہبوط کے دور میں تاریخ کے متعلق جو فلسفہ پیدا ہوتا ہے' اس پر بھی بحرانی کیفیت چھائی ہوئی ہے یہ وہ صورت حال ہے جو یاس اور المناکی کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ جن مفکرین کا ذکر پروفیسر موصوف نے کیا ہے' شاید ان کے متعلق یہ بات صحیح ہو۔ لیکن ابن خلدون کے فکر و نظر سے یہ بات مترشح نہیں ہوتی۔ وہ اور اس کی تحریریں قنوط کی ہم زبان نہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ بحرانی دور مفادات' نقطہ نظر اور تصور کائنات میں بھی بحرانی کیفیات کو مستولی کر دیتا ہے۔

زمانے کو انسان کے افکار تاریک اور المناک بناتے ہیں' ورنہ زمانہ گردش کے باوجود اس مقصد اور عینیت کی طرف ہمیشہ رواں دواں رہتا ہے۔ جس کو ''روح عصری'' کہا جاتا ہے۔ وہ زمانہ کی پیدا کردہ نہیں بلکہ وہ رجحان ہے جو کسی دور کے افکار و نظریات پر چھا جاتا ہے۔ ابن خلدون کے زمانے کے متعلق کہتا ہے کہ اس کا ہر پہلو اور ہر متضمنہ اچھائی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے زمانہ سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کی یہی صورت ہے کہ فکر و نظر میں رجائیت کو غالب کیا جائے۔ اس زاویہ نگاہ سے زمانہ کو کام میں لاتے ہوئے معاشرہ' ثقافت اور اشخاص کو بنایا جائے۔ زمانے کی قدر و معنویت کا یہ تصور ابن خلدون کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس سے قبل کسی مفکر نے اس اساس پر غور نہیں کیا۔ المناکی' یاس' حزن و ملال ایک ایسی ثقافت اور ذہنیت کے آئینہ دار ہیں جو قبل مسیح اور خود مسیحی دور کے مفکرین کی باطنی خصوصیت ہے چنانچہ پورا سلسلہ فکر دور قنوطیت سے عبارت ہے۔ الہام 'مکاشفہ' اور نزول مسیح اس دور قنوطیت کے افراد اور مفکرین کا سہارا بنے رہے۔ یہ صورت حال افراد کے قوائے ذہنی اور عمل کوشی کے واجبات کو مفلوج کر کے رکھ دیتی ہے۔ ہمیں ساروکن کے افکار کی تردید مقصود نہیں اور نہ ابن خلدون اور ساروکن کے احوال اور نظریات کا مقابلہ مقصود ہے بلکہ ساروکن نے ابن خلدون کے حوالے سے جو باتیں اور کلیے پیش کیے ہیں' ان کی توثیق یا تردید مقصود ہے۔

واقعات کے مشاہدے اور تاریخ کے مطالعے سے ابن خلدون نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر تغیر ترقی نہیں۔ نظریہ ارتقا کے بارے میں وہ کہتا ہے

کہ رجعت قہقری کی قوتوں پر نظر رکھتی ہے کیونکہ ارتقا محض آگے بڑھنے کا نام نہیں۔ اگر معاشرہ اور افراد زندگی کی وجود محض علتوں اور معنی و مقاصد کے آئینہ دار اور اپنے مسلک حیات کے اعتصام کلی رکھتے ہوں تو ارتقا کے معنی بخود آگے کی طرف بڑھنے اور پھولنے کے ہوں گے۔ اگر یہ تعلق اور تمسک باہمی ختم ہو جائے اور زندگی نظم وضبط، معنی و مقاصد سے خالی ہو جائے تو ارتقا کا رخ رجعت کی طرف ہوگا۔ یہ مختصر یہ کہ انفرادی زندگی کی طرح معاشرے میں بھی ترقی اور تنزل دونوں کا امکان ہے۔ ابن خلدون کا اصرار ہے کہ یہ فیصلہ کرنے سے پہلے کہ معاشرہ ترقی کر رہا ہے یا نہیں اس کے مقاصد اور نصب العین کا تعین کر لینا ضروری ہے۔ معاشرتی حرکیات تغیر اور ارتقا کا یہ وہ بنیادہ تصور ہے جس کے متعلق سارو کن اور اقبال دونوں نے کوئی توضیح نہیں کی۔

اقبال کے اس خیال میں ہمیں کوئی اختلاف نہیں کہ زمانہ ایک تسلسل کل اور حرکت پیہم ہے لیکن ابن خلدون کا فکر یہاں پہنچ کر رک نہیں جاتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ اس میں بعض معنوی علتیں اور مضمرات پوشیدہ ہیں جن کا سمجھنا درکار ہے تا کہ تسلسل اور حرکت کے مفہوم کو متعین کیا جائے اور یہ کہ معاشرہ، ثقافت اور شخصیات کی آبیاری اور ترقی صحیح خطوط پر ہوتی رہے۔ تسلسل اور حرکت پیہم میں معنوی علتوں کے دوش بدوش جن عوامل کی طرف ابن خلدون نے توجہ مبذول کرائی ہے وہ یہ ہیں کہ تغیرات میں فردیت نہیں۔ جب کبھی اور جہاں بھی تبدیلیاں رونما ہوں گی ان میں کلیت اور مجموعیت کا انداز غالب رہے گا گویا تبدیلیاں بھی اجتماعی

قوانین کے تابع ہیں۔ مظاہر حیات اور تغیرات میں جو قوانین کارفرما ہیں ان کی ہر حرکت میں نظم وضبط کے قوانین کو موثر طور پر دیکھنا ایک مفکر کا اہم وظیفہ ہے۔ اصل میں وہ حقیقی رشتے جن سے تبدیلی کے تمام اجزا باہم مربوط نظر آتے ہیں نفسی عوامل ہیں۔ ابن خلدون کا خیال ہے کہ تمام اجزا ایک ساتھ بدل جاتے ہیں۔ تغیرات اور تبدیلیوں کا عمل بامقصد ہوتا ہے۔ غالباً اس مفہوم کی ترجمانی میں ابن خلدون قرآن کا رہین منت ہے۔ اسی قسم اور اسی نہج کے افکار کو یقیناً سورہ العصر کے معنی و متن میں جھلکیاں لیتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تغیرات کی رفتار، ماہیت اور نوعیت کیا ہے؟ کیا وہ خط مستقیم کی طرح ایک ہی نہج اور ایک ہی رفتار سے بے چلے جاتے ہیں؟ تغیرات کی نہج و رفتار میں جو عروج و زوال ہوتا رہتا ہے اس میں استقامت ہے یا ان کی کوئی اور اساس متعین کی جا سکتی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ تغیرات کے ہر مدوجذر میں ایک وزن اور موسیقی کی طرح زیر و بم کی کیفیت موجود ہوتی ہے۔ یہ زیر و بم ابن خلدون کے نظریہ کی رو سے چہارگانہ ہوتا ہے۔ یہ وضاحت اس نے اپنے ان افکار میں کی ہے جن کا تعلق تسلسل نسل اور خاندان سے ہے۔ تسلسل خاندان کا مسئلہ مجرداً معاشرتی حرکیات اور عمرانیات ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کی اپنی ایک جداگانہ حیثیت ہے۔ ابن خلدون نے علاوہ اور امور کے نسلیات کے مسئلے کو زماں کے خاص واحدے کی حیثیت میں پیش کیا ہے۔ نسلیاتی دوریت ثقافت میں سے بھی میعادی تبدیلیوں کا موجب ہوتی ہے۔ اگر نسل بہر حال اپنے نظام اخلاق اور وجودی قدروں سے

وابستہ رہے تو نسل میں استقلال کے ساتھ ثقافت کو بھی استقلال اور ترقی نصیب ہوتی رہتی ہے۔ نسلاً بعد نسلاً اگر ضعف اور انحطاط ہو تو نسل کے ساتھ ساتھ ثقافت بھی وہی کیفیات رونما ہونے لگتی ہیں۔ تبدیلیوں اور تغیرات میں معنوی اور قدری وابستگیوں سے کوئی اضمحال اور ضعف پیدا نہیں ہوتا۔ اگر تبدیلیاں آئے دن معنویت سے خالی ہوتی چلی جائیں اور ان میں فساد پیدا ہو جائے تو ہر تبدیلی عظیم ہلاکت اور خطرات کا موجب بن جاتی ہے۔ اس صورت حال کا اقتضا یہ ہے کہ تبدیلیوں کا تسلسل انتشار اور عدم تکمل میں بھی تسلسل پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ ابن خلدون کے اس نظریہ سے ہربن موسے سورہ العصر کا اثر ظاہر ہوتا ہے کہ ''انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے''۔

سارو کن کو بھی اعتراف ہے کہ تبدیلیوں کے سلسلے میں ابن خلدون نے بعض اچھوتے لیکن پر اثر خیالات کا اظہار کیا ہے۔ تبدیلیوں میں تسلسل اور ہمہ وجود قدر معنویت سے وابستگی کے سوا متدائر طبعی تبدیلیاں بھی ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ دور جدید کی عمرانی حرکیات میں اس کو Immanent Cyclical Change کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس تصور کی پیش کش میں بھی ابن خلدون قرآن سے متاثر نظر آتا ہے۔ قطع نظر اور شواہد کے خود لفظ العصر کے ظاہر و باطن میں بھی یہ مفہوم شریک و سہیم ہے۔ زمان و مکان، ادوار اور گردش کے مسائل مسلمانوں کے لیے نئے نہیں۔ قرآن نے ایمان کی یہی شرط قرار دی ہے کہ اٹھتے بیٹھتے اور چلتے

پھرتے حقائق کونیہ اور اسرار و رموز حیات و زمانہ پر پیہم غور کیا جائے سورہ عمران کی آیات ۱۰۵ تا ۱۳۶ اور ۱۸۹ تا ۱۹۰ میں مطالعہ کائنات' رموز و اسرار اور پیہم تبدیلیوں پر غور کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ان امور پر قرآن کو اس قدر اصرار ہے کہ بار بار کئی مقامات پر غور و تدبر' اور تفکر و تحقیق کی تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن ہی کہ اس فیضان سے متاثر ہو کر ہر حلقہ فکر اور متنوعہ شعبہ ہائی علوم کے مختصصین نے ان حقائق پر تحقیقاتی کام کیا ہے۔ اس موضوع پر اختصاص کے علاوہ عمومی انداز میں مسلمان فلاسفہ عمرانی' ماہرین نفسیات' سیاسیین اور ماہرین سیاسیات' دینیات' معقولات' منقولات' الہیات' فقہ تفسیر غرض یہ کہ ہر طبقہ کے علما نے قرار واقعی توجہ مبذول کی ہے۔ ابن خلدون نے اپنے دور کے سوا' متقدمین اور بعد میں چل کر متاخرین نے ان حقائق کونیہ یعنی انفس و آفاق پر غور کیا ہے۔ اس کی آخری کڑی شاہ ولی اللہ اور اقبال ہیں۔ افسوس ہے کہ اقبال نے اس سنت کی ریس تو کی ہے لیکن اس کو قرار واقعی آگے نہ بڑھا سکے۔ اس موضوع پر تقابلی اور تنقیدی حیثیت سے وہ بحث کر سکتے تھے کیونکہ وہ مغربی اور مشرقی علوم کے متبحر عالم تھے۔

دور جدید میں ابن خلدون کے افکار کا گمپلوکز (Gumplowicz) اور فرانز اوپن ہائمر (Franz Open Heimer) نے بڑے استحسان اور محبت سے جائزہ لیا ہے۔ جہاں تک زمان و مکان کے مسائل سے بحث و اعتنا کا تعلق ہے ابن خلدون کو بہر حال متمائز نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس موضوع پر جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے' مسلمانوں کا یہ مسلمہ طریقہ کار تھا۔ چنانچہ ابن خلدون نے اپنے

مقدمہ میں ابن ابی واطل کا ذکر کیا ہے جو ایک صوفی بزرگ تھے باوصف اسکے کہ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑا مفکر ہے اور زمان و مکاں کے نظریہ پر اس نے ایک خاص زاویہ نگاہ سے اضافہ بھی کیا ہے۔

ابن خلدون نے ان مسائل پر عمرانیات اور ثقافیاتی زاویہ نگاہ سے بحث کرتے ہوئے ان کی عملی حیثیت کو متعین کیا ہے۔ یہ مسائل' معاشرہ' ثقافت اور اشخاص پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کے سمجھنے پر اس کی وسعت و زندگی' اور بے اعتنائی اور ناسمجھی سے جو تباہی ممکن الوقوع ہوسکتی ہے اس کا تجزیہ ابن خلدون کا وہ شاندار کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ زمان و مکاں اور تغیرات کی کلیت اور معنویت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی تنقیح اور تجزیہ میں عمرانیات تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے طریق کار کو کام میں لاتے ہوئے اس نے بہت بڑی حد تک نتائج حاصل کیے۔ تاریخ کا کام واقعات کا تفصیلی ثبوت مہیا کرنا ہے۔ عمرانیات کا کام عام اصول اور قوانین متعین کرنا ہے۔ تاریخ اور فلسفہ تاریخ میں زیادہ تر استخراجی منہاج اور عمرانیات میں استقرا سے کام لیا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں بعد توضیحات مثلاً ربنا خلقت ہذا باطلا یا کل یوم ہو فی شان پر زیر بحث موضوع کی مناسبت سے دیکھا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی چیز دنیا میں بے مقصد و بے معنی نہیں تو تغیرات اور تبدیلیوں کا کوئی متصمنہ' کوئی واحدہ اور کوئی علت و رشتہ مقصد و معنی سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اس کا ثبوت ایک طرف تسلسل ہے تو دوسری طرف اتحاد عمل ہے۔ ابن خلدون کے انداز فکر سے یہ

نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ معاشرتی تغیرات کے بالواسطہ دو عوامل ہیں۔ ایک نفس اجتماعی جس کا عمل شعوری ہے۔ دوسری نفس انفرادی جو فرد کے آئندہ عمل کو معین کرتا ہے۔ غرض تغیرات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہر ظاہر و باطن میں بعض نفسی قوانین کام کرتے رہتے ہیں۔ یہ تبدیلیوں کے ہر مرحلے میں رشتہ اتحاد پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ان تبدیلیوں میں نفسی قوتوں کی ایک وقت میں معینہ مقدار ہوتی ہے۔ اگر ہم تغیرات کے مختلف مظاہر، اعمال، مضمرات، اور ان کی مختلف اکائیوں کے باہمی تعلقات کو بار بار دیکھیں تو ہمیں اس کا علم و شعور ہو سکتا ہے کہ قوت کی ایک خاص مقدار صرف ہو رہی ہے۔ اگر یہ قوت ایک طرف بڑھائی جائے تو توازن و استقلال کی خاطر دوسری طرف اس کو کم کرنا پڑے گا۔ گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ ابن خلدون نے دور جدید کے طبیعیات کے سے قانون کو پیش کرتے ہوئے عمرانی حرکیات، تغیر و تبدل کے قوانین اور زمان و مکاں کے مسائل کو دو ضابطوں سے حل کر دیا ہے۔ تغیرات کے پیہم عمل میں ایک طرف تو قوت و معنی کے استحالہ (Expansion) اور دوسری طرف بقا (Conservation) کا اہتمام ہوتا رہتا ہے۔ ان دو غیر منفک قوتوں میں توازن باقی رہتا ہے تو تبدیلیاں کوئی خرابی پیدا نہیں کرتیں۔ بگاڑ کی صورت توازن اور انضمام (Integration) کا باقی نہ رہنا ہے۔ اجتماعی زندگی کی تاریخ میں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ معاشرتی ہمہ جہتی قوتیں ایک مرکز پر خاص وقت تک جمع ہوتی رہتی ہیں اور کبھی وہاں سے ہٹ جاتی ہیں۔ ان کی ایک رو خاص مدت تک خاص رخ پر

چلتی رہتی ہے۔ اور پھر زیر و بم کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جب تک یہ قوت ایک مرکز پر رہتی ہے تو یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ دوسرے نقطے، واحدے، اور خلیے خالی رہتے ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ حالت تعطل اور جمود میں پڑے رہتے ہیں۔ ممکن ہے انسان کی روحانی، نفسی، اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی اور ثقافتی زندگی انہیں قوانین کے ماتحت ہو۔ یہ خیال ہمیں قرآن کے اس ضابطے کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان بغیر قانون الٰہی کے اپنے طور پر کوئی ضابطہ حیات مدون کر کے اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔

تغیرات و تبدیلی کے مباحث اور معاشرہ و ثقافت پر ان کے اثرات اور رد اثرات کے مسائل دور جدید میں ابھرے ہیں۔ ہزاروں ہی کتابیں ان موضوعات پر یورپی زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں لیکن ہم بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ محولہ بالا خصوصی توضیح..... استحالہ قوت اور بقائے قوت کے سوا، نظم اور ضبط کی قوتوں روحانیت اور معنی و اقدار کے متعلق کسی مغربی حکیم نے توضیح کو ایک طرف رہی سر مو تک اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ تبدیلیوں کے تمام مسائل اور تنقیحات میں ابن خلدون نے انہیں زاویہ ہائے نظر سے بحث کی ہے۔ کارخانہ قدرت میں تسلسل کے ساتھ ان پیہم تبدیلیوں اور ان میں جزر و مد کا اصل مقصد کیا ہے۔ دو جدید کے کسی مفکر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ متقدمین کے ہاں بھی قرار واقعی اس کا کوئی مثبت جواب نہیں مل سکا۔ شاہ ولی اللہ اور اقبال بھی خاموش ہیں۔ بجالت مجبوری ابن خلدون کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ ہر تبدیلی جو

مظاہر کونیہ مظاہر عمرانیہ ار مظاہر نفسی میں ہر آن واقع ہوتی ہے۔ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان میں نئے سرے سے ابھرنے اور قوت پانے کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان حیات دوام حاصل کر سکتا ہے۔ جب تک انسان ماحول کی قوتوں سے کام لیتا رہے گا وہ بھی باقی رہے گا اور اس کی معاشرت وثقافت بھی۔ معاشرے اور ثقافت کا حقیقی مقصد لامتناہی ترقی ہے۔ اگر معاشرتی اور ثقافتی قوتوں اور ان کے اجزا اور اعضا و توابع میں ربط و توازن رہے تو یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ دونوں کے دونوں وفور زندگی اور پیہم ترقی کی دولت سے مالا مال ہیں۔ یہی مفہوم سورۂ رحمٰن کی آیت کل یوم ہو فی شان سے بھی مترشح ہوتا ہے۔

ابھی تک کوئی خرد حرکی قانون دریافت نہ ہو سکا جس کی وساطت سے انسانی معاشرہ اور ثقافت آپ ہی آپ چلتے رہیں۔ ان کی ساخت ان کی حرکت اور اداروں کے مقصد میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی بھلانی نہ چاہیے کہ معاشرے اور حادثات کونیہ میں بہت سی ایسی قوتیں موجود ہیں جنہیں دوامی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود ہر وقت اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ ان قوتوں کے عمل میں تغیر و تبدل کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کی روح عصری مناسبت سے قانون، حکومت، اخلاق، مذہب غرضیکہ زندگی کا نیا قائم کرنا پڑتا ہے۔ نئے معیار کا مطلب وجودی علتوں سے انحراف اور انفکاک نہیں نئے معیار کو وقتاً فوقتاً نصب العین اور وجودی معنوی علتوں سے مطابقت اور وابستگی پیدا کرنا

ضروری ہے تاکہ تسلسل حیات باقی رہے۔ ہزار ہا تغیرات کے باوجود انسانی معاشرے اپنی حیات و بقا کی مندرجہ ذیل شرائط پوری کرنے پر مجبور ہیں ورنہ تغیرات کا سیل انہیں بہالے جائے گا:

(۱) وجودی معنوی علتوں سے تمسک اور ہم آہنگی

(۲) معاشرے اور ثقافت کے ذریعہ احساس، خیال اور فکر و عمل میں اتحاد

(۳) معاشرے اور ثقافت کے ذریعہ اجتماع کلی اور ربط کلی کا بڑھ جانا

(۴) معاشرے اور ثقافت کے اعضا اور شعبوں کی کارکردگی کی اختصاصی تفریق کا عمل میں آنا اور پھر ان کی کل ہیئت اجتماعیہ سے وابستگی اور تعلقات کا زیادہ منظم ہونا۔

(۵) ہر آنے والی نسل کو بہترین اور بامقصد ماحول کا میسر آنا

(۶) نسل کی اصلاح و ترقی جاری رہنا

(۷) معاشی مواقع کی ترقی میں عدل و مساوات پیدا ہونا

(۸) سیادی، معاشرتی اور ثقافتی مواقع عمل میں مساوات ہونا

(۹) دولت کا فلاح عامہ کے لیے صرف ہونا

(۱۰) انسانی ضروریات سے قدرتی وسائل کی مطابقت

قوم کی تہذیب کا معیار ابن خلدون کے نزدیک یہی ہے کہ وہ کس حد تک نظام اخلاق اور دین و ایمان اور اس کے رسول سے منسلک ہے اور اسنے عالم فطرت پر کس حد تک قابو حاصل کیا ہے۔ دنیا کی ترقی کا اندازہ انفس و آفاق کی قوتوں کے

استعمال سے ہے۔ابن خلدون کے نزدیک بقائے اصلح کا قانون جاری ہے۔اگر وسائل بقا کو کام میں لایا جائے تو زندگی حاصل ہوتی ہے ورنہ موت۔جمود کی حالت میں قوم کو دو خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اندرونی اور بیرونی اندرونی خطرہ یہ ہے کہ قوم کی قوت حیات گھٹنے لگے اور باہر سے حملہ نہ بھی ہو تو بھی اس کا دل و دماغ بیکار ہو جائے۔معاشرتی تنزل اصل میں ان افراد کے انحطاط سے شروع ہوتا ہے جو اجتماعی جدوجہد میں اپنے فرائض معنوی انداز میں انجام دینے سے قاصر رہتے ہیں۔اس سے نظم اجتماعی درہم برہم ہو جاتا ہے اور معاشرتی زندگی پر زوال آ جاتا ہے۔بچاؤ کی صورت یہی ہے کہ ان مٹھے افراد کی جگہ دوسرے جاندار افراد لیتے رہیں۔اگر وہ قوتیں جو معاشرے کے نصب العین کو قائم رکھتی ہیں اور اس کے ماحول کی اصلاح کرتی ہیں معطل ہو جائیں تو معاشرتی زندگی بدنظمی اور انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔پشتہا پشت کے حاصل کردہ فضائل ضائع ہو جاتے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا نصب العین حیات کھو جاتا ہے اور اس کے حصول کے لیے قوت ارادی صرف کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی۔

عمرانی حرکیات، تغیرات اور زمان و مکاں کی مسلسل تبدیلیوں کے اسباب و وجود اور احکام و نتائج کا پتہ چلانے کے لیے ابن خلدون کا طریقہ عمل ہمیشہ سائنٹفک رہا ہے۔تحقیق کا آغاز معاشرے کی ساخت اور اس کے عمل کے مشاہدے اور بار بار تجربے سے ہوتا ہے۔انہیں کے ساتھ اس نے مستند اور موزوں علمی مواد اور تاریخی ذرائع سے بھی کام لیا ہے۔تحقیق و تفتیش کے عمل میں نتائج کے استنباط کا لحاظ رکھا گیا

ہے ۔عمومی اور خصوصی تحقیق کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اسی طرح استقرائی اور استخراجی منہاج، مشاہدہ، اختیار، تجربہ اور تحلیل ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

ابن خلدون کی عمرانیاتی منہاج تحقیق کی حیثیت علمی ہے۔اس کو سمجھے بغیر اس کے طرز استدلال اور عمرانیاتی وثقافتی تصور کائنات کا سمجھنا مشکل ہے۔

☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006